OPEN ACCESS

ABHATH

(Research Journal of Islamic Studies)

Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932

ISSN (Online) : 2521-067X

January-March-2023

Vol: 8, Issue: 29

Email:abhaath@lgu.edu.pk

OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

ریاست مدینہ کی خارجہ حکمت عملی۔۔۔ نشوو ارتقاء

Foreign Policy of Madina State….Evolution

Muhammad Younus Javaid

Lecturer,Govt. Associate College Kalyana, Pakpattan:

younusjavaid@gmail.com

Abstract

In international relations, Foreign policy is one of the wheels with which process of international politics operates. It involves goals, strategies, measures, methods, guidelines, directives, understandings, agreements, and so on, by which national governments conduct international relations with each other. It is an important tool to relate the relations to other countries. It is a study of the management of external relations and activities of nation-states. Being a universal religion Islam represents broad vision of its constituted policies and considers itself responsible for the preparation of its rights. In spite of these approaches, Islam gives its own guidance in this perspective. The Prophet of Islam, Hazrat Muhammad ﷺ was sent for all peoples of the world, and his Shari`ah was universal. After Hijrah, The Holy Prophet ﷺ made practically the establishment of Islamic State of Madeena, made arrangements of conveying to the whole humanity, the worldly and universal message of Islamic ideology. In this regard, He ﷺ took necessary measurements and led a foundation of Islamic State's Foreign Policy.

Keywords: Foreign Policy, Diplomacy, Islamic State, Agreements

خارجہ پالیسی دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ خارجہ اور پالیسی (Policy)، خارجہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ خ ر ج ہے۔ خَرَجَ یَخرُجُ کے معانی ہیں باہر نکلنا، اسی سے خارجاً ہے۔ القاموس الوحید میں ہے ، خَارجاً: باہر، باہر کی جانب[1] باہر والی چیز کو بھی خارجہ کہتے ہیں یہ داخل کی ضد ہے۔

[1]۔ کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۴۲۳

Kīranwī, Waḥīduzzmān Qāsmī, Alqāmūs ulwaḥīd، Idāra Islāmiāt Lahore, 2001, P 423

پالیسی(Policy) انگریزی زبان کا لفظ ہے جو کہ قدیم فرانسیسی لفظ"policie" سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے ملکی نظم ونسق[2] الوسیط میں پالیسی(Policy) کے معانی حکمت عملی جو کوئی شخص،ادارہ،جماعت یا حکومت اختیار کرے،سیاسی تدبر اور دانش مندی کے بیان ہوئے ہیں۔[3] آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق Foreign Policy (خارجہ پالیسی) کی تعریف:

"A government's strategy in dealing with other nations"[4]

(ایک ریاست کی حکمت عملی جو وہ دیگر اقوام سے اختیار کرتی ہے۔)

خارجہ حکمت عملی کی مختلف تعریفات

خارجہ پالیسی ایک پھیلا ہوا اور وسیع مضمون ہے جس کی مختلف تعریفات مختلف ماہرینِ سیاست نے بیان کی ہیں۔پروفیسر جوزف فرینکل(Joseph Frankel) کے مطابق:

"Foreign Policy consists of decisions and actions which involves to some appreciable extent relations between one state and others"[5]

(خارجہ حکمت عملی فیصلوں اور عوامل پر مشتمل ہوتی ہے جس میں ایک ریاست یا کئی ریاستوں کے ساتھ کچھ نمایاں کشادگی کے تعلقات شامل ہوتے ہیں۔) ان کے نزدیک خارجہ حکمت عملی فیصلوں اور عوامل کا مجموعہ ہے جو کوئی ریاست دیگر ریاستوں سے تعلقات قائم کرتے ہوئے اختیار کرتی ہے۔انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں خارجہ حکمت عملی کی تعریف ایسے بیان کی گئی ہے:

"General objectives that guides the activities and relationship of one state in its interactions with other states."[6]

(عمومی مقاصد جو ایک ریاست کے دیگر ریاستوں سے باہمی تعامل کرتے ہوئے سرگرمیوں اور تعلقات میں رہنمائی کرتے ہیں۔)

اس تعریف میں دوسری ریاست کے طرز عمل کو اپنی سرگرمیوں کے مطابق اختیار کرکے سماجی میل جول

---

[2].V.Kubalkova, Foreign Policy in a Constructed World, Routledge London, 2015.p.5
[3].Munir Baalbaki and Dr. Rohi Baalbaki, Al-Mawrid Al-Waseet Concise Dictionary, Dar al-Ilm Lilmalayīn, 2007.p.1274
[4].Oxford Dictionary of Word Origins, Oxford University Press Oxford, 1999.p.5
[5].Joseph Frankel, The Making of Foreign Policy, Oxford University Press New York, 1963.p.1
[6].http://www.britannica .com EBchecked/Topic/213380/Foreign Policy

کے ارتقائی مراحل کو طے کرنا خارجہ حکمت عملی قرار دیا گیا ہے۔موجودہ دور کے ماہرینِ فن رابرٹ جیکسن (Robert Jackson)اور جارج سورنسن(George Sorenson)اپنی کتاب 'Introduction to International Relations'میں خارجہ حکمت عملی کی تعریف اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

"Foreign Policy involves goals, strategies, measures, methods, guidelines, directives, understading, agreements, and so on by which national governments conduct international relations with each other and with international organizations and non-governmental actors."[7]

اس تعریف کی رو سے خارجہ حکمت عملی اہداف، حکمت عملی، پیمائش، طریق کار، ہدایات، معاہدات، ادراک اور اس طرح کی دوسری سرگرمیوں پر محیط ہوتی ہے جو ایک ریاست عالمی تعلقات میں دوسری ریاستوں، عالمی تنظیموں اور غیر ریاستی عناصر سے نبھاتی ہے۔

یہی تعلقات آج کے دور میں خارجہ حکمت عملی کہلاتے ہیں۔عالمی سیاست میں کسی ریاست کی کامیابی اور ناکامی کا زیادہ تر انحصار خارجہ حکمت عملی پر ہی ہوتا ہے۔خارجہ تعلقات میں ہمیشہ تغیر پذیری رونما ہوتی رہتی ہے۔

خارجہ حکمت عملی کا ایک اہم حصہ سفارت کاری(Diplomacy) بھی ہے۔کئی ماہرین نے اسے خارجہ حکمت عملی سے منتھی کیا ہے جیسا کہ پالمر(Palmer)لکھتا ہے:

"Diplomacy provides the machinery and personnel by which foreign policy is executed, one is substance and the other is method"[8]

(سفارت کاری مشینری اور افراد مہیا کرتی ہے جس سے خارجہ حکمت عملی کی تکمیل کی جاتی ہے، ایک نچوڑ ہوتی ہے تو دوسری طریقہ کار ہوتی ہے۔)

سعید حارب عبداللہ 'العلاقات الخارجیۃ للدولۃ الاسلامیۃ' میں خارجہ حکمت عملی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"هو مجموعة القواعد التی تنظم العلاقات بین الدول"[9]

(یہ ان منظم قواعد کا مجموعہ ہے جو ریاستوں کے درمیان تعلقات استوار کرتا ہے۔)

---

[7].Robert H. Jackson and George Sorenson, Introduction to International Relations: Theories and Approaches, Oxford University press U.K. 2010. p.223

[8].Norman D. Palmer, International Relations, Houghton Mifflin Co.Boston.1985.p.156

[9]۔حارب، سعید عبداللہ، العلاقات الخارجیۃ للدولۃ الاسلامیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت لبنان، ۱۹۹۵ء، ص ۳۲۴

Hārib, saeed, Abdullah, Alʿalāqāt-ul-khārjiah lidolat-al-islāmia, mossisā al-risālah, Beirut, Lebanon, 1995, P 324

جس طرح کوئی انسان اکیلا نہیں رہ سکتا،اسی طرح کوئی ریاست بھی دنیا سے کٹ کر تنہا گزارا نہیں کرسکتی۔وہ دوسری ریاستوں سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ریاست کی سیاسی،معاشی،دفاعی اور دیگر ضروریات اسے دوسری ریاستوں سے تعاون پر مجبور کرتی ہیں۔دنیامیں کوئی بھی ریاست خود کفیل نہیں ہے۔ایک ریاست دوسری ریاستوں سے تعلقات کے قیام میں کچھ بنیادی اصولوں اور مقاصد کو پیش نظر رکھتی ہےاور انہیں متعین کرتی ہے۔اسی بناپر ہر ریاست اور قوم اپنی خارجہ حکمت عملی ترتیب دیتی ہے۔عصر حاضر کی سائنسی ترقی نے دنیاکے ممالک اور اقوام کو آپس میں مربوط کر دیاہے۔اب کوئی ریاست دیگر ریاستوں کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اسلام میں خارجہ تعلقات کا آغازوارتقاء

پہلی صدی ہجری کے اخیر میں اسلامی قوانین اور احکام یعنی فقہ کی تدوین کا آغاز ہوا۔فقہاء کرام اور محدثین نے اس ضمن میں حد درجہ احتیاط اور ژرف نگاری سے کام لیتے ہوئے اس عظیم الشان کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔آغاز میں بین الاقوامی قانون اور تعلقات خارجہ کے قوانین سیرت اور مغازی کا ہی حصہ ہوتے تھے۔بعد میں ان احکام اور قوانین کو الگ سے منضبط کرنے کا کام شروع ہوا۔اسی علم کو"السیر "کا نام دیا گیا۔یہی علم فقہ کا وہ عظیم الشان حصہ ہے جو آج اسلام کے قانون بین الممالک کے نام سے جانا جاتا ہے۔

علم السیر کا معانی ومفہوم

"سِیَر "کا لفظ"سیرۃ"کی جمع ہے جس کے معانی ہیں:طریقہ،طرززندگی،چال چلن وغیرہ[10]
قرآن میں ارشادہے: سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ[11] (ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف پھیر دیں گے۔)

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ سیرت سے مراد حکمران کا طرز عمل ہوتا ہے جو اجنبیوں سے حالت جنگ اور حالت امن میں ملحوظ رکھا جائے اور کتب سیر کو بھی اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے ان تعلقات کو بیان

[10]۔کیرانوی،وحید الزماں قاسمی،القاموس الوحید،ص ۸۳۲

Kīranwī, Waḥīdūzzmān Qāsmī, Alqāmūs ulwaḥīd, P 832

[11]۔طہٰ ۲۰:۲۱

Al Qur’ān:20:21

کرتا ہے جو وہ مشرکین، اہل عہد، مستامنین اور اہل ذمہ کے ساتھ معاملات میں رکھتے ہیں۔ اسی طرح غیر مملکت کے لوگ ہی نہیں، ہماری مملکت کے اندر باشندوں میں بھی دو کے متعلق ایک مرتدوں اور دوسرا باغیوں پر اس کا اطلاق ہو گا۔[12]

ڈاکٹر حمید اللہؒ کے مطابق سب سے پہلے "سیر" کی اصطلاح امام زید بن علیؒ نے انٹرنیشنل لاء کے معنوں میں استعمال کی اور یہ ابھی تک چلی آ رہی ہے۔ انٹرنیشل لاء کا اسلامی تصور اس تصور سے زیادہ وسیع ہے جو آج کل مغرب میں پایا جاتا ہے۔[13]

اصطلاحی لحاظ سے سیر سے مراد مسلمانوں کا وہ رویہ اور طرز عمل ہے جو وہ غیر مسلموں سے تعلقات، جنگ و صلح، دیگر ریاستوں سے معاملات (جن میں بین الاقوامی ادارے اور افراد بھی شامل ہیں) سے معاملہ کرتے ہوئے اختیار کرتے ہیں۔[14]

'السیر' کے عنوان سے ان تمام امور کے لیے قواعد وضوابط اور اصول و قوانین وضع کیے گئے جو درج ذیل پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں:

1۔ مسلمانوں اور غیر مسلم کے تعلقات، امان، سفارت، مراعات اور تجارت کے قواعد وضوابط

2۔ مسلم ریاستوں کے باہمی تعلقات

3۔ غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ باہمی تعلقات و معاہدات

4۔ حالت جنگ میں پیش آنے والے معاملات کے قواعد وضوابط

5۔ ریاستوں کی بطور دار الکفر، دار الاسلام، دار الصلح، دار العہد کے لحاظ سے تقسیم اور ان سے متعلقہ معاملات و قواعد

---

[12]۔ السرخسی، أبو بکر محمد بن احمد، المبسوط (تحقیق: الدکتور حسن اسماعیل الشافعی) دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۷ء، ۲/۱۵

Assarakhsī, Abubakr, Muḥmmad bin Aḥmad, Al-mabsūṭ, Dār ul kutub alʿilmīa, Beirut, Lebanon, 1997, V 2, p 15

[13]۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور، بیکن ہاؤس اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۱۲۹

Hamīdullh, Muhammad, Dr. Khutbāt-e-Bahāwalpur, beacon house, Urdu Bāzār, Lahore, P 129

[14]۔ غازیؒ، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۷

Ghāzī, Maḥmood Aḥmad, Dr, Islām kā qānoon-e-byn ul mamālik, Sharia Academy, International Islamic University , Islamabad,2014, P7

اسلام ایک دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی، ہدایات اور احکام فراہم کرتا ہے۔ یہ ملکی، ریاستی، قومی و بین الاقوامی تعلقات کے باب میں اپنے طے شدہ واضح تصورات رکھتا ہے۔ اس میں دیوانی قوانین بھی ہیں، فوجداری احکام بھی، دستوری اصول بھی ہیں، انتظامی ہدایات بھی، بین الاقوامی قانون اور سیاست کے ضابطے بھی ہیں اور ان اصول و قوانین، احکام وضوابط پر عمل کرنے اور کروانے کے لیے اسلامی ریاست اور حکومت کا قیام بھی اس کا مقتضی ہے۔ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ[15]

(وہی (ذات) ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔)

اسلام کی عالمگیر تحریک کا آغاز بعثت نبوی ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اسی شہر سے تبلیغ دین کے فریضہ کی ابتدا کی۔ نبوت کے تیرہ سال آپ ﷺ نے اسی شہر کو مرکز بناتے ہوئے عرب کے مختلف حصوں تک توحید ورسالت کی دعوت پہنچائی۔ آپؐ نے مکہ میں ایک نئے معاشرہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ایک ایسی جماعت کی تشکیل ہو رہی تھی جس کے عقائد، اخلاق، اصول و قوانین اور اطوار ہر چیز دیگر اقوام سے جداگانہ اور منفرد تھے۔ خصوصاً قریش جس تہذیب و تمدن، اخلاق و کردار اور طور واطوار میں رنگے ہوئے تھے اس کے بالکل برعکس تہذیب و تمدن، اخلاق و کردار اور عقائد کا نظریہ پیش کیا جارہا تھا۔ آپ ﷺ کی سربراہی میں جو جماعت نمو پا رہی تھی، انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی معاملات تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور ہدایات کی پیروی کرتی تھی اور اس کی مطیع و فرمانبردار تھی۔ یہ مسلمانوں کی ایسی جماعت تھی جو کہ مکہ کی ریاست کے اندر ایک الگ ریاست کا وجودِ مقصدی رکھتی تھی۔ اسی تنظیم اور جماعت کے اندر ہمیں اسلام کے خارجہ تعلقات کی بنیادیں قائم ہوتے دکھائی دیتی ہیں۔ شہر مکہ میں ہی اسلام کے بین الاقوامی قانون کے احکام اور نفاذ کا آغاز ہو رہا تھا۔ محسن انسانیت ﷺ کا پیغام اور دعوت صرف عربوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کو پورے عالمِ انسانیت کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّـهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[16]

---

[15] ۔التوبہ ۹:۳۳ — Al Qur'ān:9:33

[16] ۔الاعراف ۷:۱۵۸ — Al Qur'ān:7:158

(کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

یہ آیات آپؐ کے عالمگیر مقاصد کو واضح کر رہی ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے خارجہ تعلقات کا آغاز کر دیا تھا۔ محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں:

"مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں بسنے والے قبائل سے حضور ﷺ کے تعلقات کی تفصیلات سیرت طیبہ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ان تعلقات سے پتا چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کے تعلقات ایک منفرد قوم کی حیثیت سے دوسری اقوام سے قائم کیے۔ دوسری بعض مفاہمتیں بھی ہوئیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عرب کے مختلف قبائل سے اس قسم کے بین الاقوامی اور بین القبائلی روابط بڑھتے چلے گئے، جو یقیناً مسلم بین الاقوامی تعلقات کی خشت اول قرار دیے جاسکتے ہیں۔"[17]

سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی اوائل عمری میں "حلف الفضول" نامی معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں اس معاہدے میں شرکت فرمائی تھی۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ہوا تھا اور اس میں ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "لو دعيت به فی الاسلام لأجبت۔"[18]

(اگر اسلام میں مجھے ایسے معاہدے میں شرکت کے لیے بلایا جائے تو میں فوراً لبیک کہوں۔)

اسی طرح قریش کے وفد کا آپ ﷺ کے پاس آنا اور مذاکرات کرنا، آپ ﷺ کا موسم حج اور تجارتی بازاروں میں مکہ سے باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے ملنا اور انہیں دعوت اسلام دینا بھی بین القبائلی تعلقات کی واضح اور بین مثالیں ہیں۔ قریش مکہ کے سخت مظالم کی بنا پر جب آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حبشہ کے والی نجاشی کے پاس پہنچانے کے لیے ایک نامہ مبارک بھی دیا۔ یہ بین الاقوامی تعلقات کی ایک مثال تھی۔ صحابہ کرامؓ نے رجب ۵ھ میں حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ کچھ عرصہ بعد دوسری ہجرت ہوئی تو اس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں شامل

---

[17]۔ غازیؒ، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک، ص ۱۷۴

Ghāzī,Maḥmood, Aḥmad, Dr,Islām kā qānoon-e-bin ul mamālik,, P 174

[18]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۶۶ء، ص ۲/ ۲۹۱

Ibn-e-Kaseer, Ismaīl bin Umar, Albidāyh wannihāyh, Maktabh, Almārif, Beirut, V 2, P 291

تھیں۔[19] مکہ کے آخری دور میں نبی اکرم ﷺ کے مزید دو معاہدوں کا ذکر ملتا ہے۔ نبوت کے گیارھویں سال بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی جس میں یثرب کے بارہ افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر ان کا آپ ﷺ کے ساتھ اعلان بیعت ہوا۔ واضح رہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنا ایک سفیر حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی انصار کے ساتھ دعوت و تبلیغ اسلام کے لیے روانہ کیا تھا جنھوں نے کامیابی سے اپنی ذمہ داری کو نبھایا اور یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔ یہ مکہ سے مسلم معاشرہ کی طرف سے پہلا سفیر تھا جو دعوت اسلام کی غرض سے مدینہ بھیجا گیا۔[20] اس سے اگلے سال بیعت عقبہ ثانی ہوئی جس میں انصار کے پچھتر افراد نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر امن و صلح اور ذمہ داریوں کے حوالہ سے بیعت کی۔ یہ گویا ایک طرح سے بین الاقوامی معاہدہ تھا جس میں امن اور جنگ کے امور زیر بحث آئے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق:

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیعت عقبہ جس میں ریاست کی بنیاد رکھی گئی اسلامی ریاست کا روز آغاز تھی۔ ۱۱ ذی الحج ۱۳ نبوی کو یا اس کے فوراً بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ اگر ریاست مدینہ کے آغاز کی تاریخ حضور ﷺ کے پہنچنے سے پہلے شمار کی جائے تو وہ نبوی کے گیارھویں سال ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ ہوگی۔ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے شمار کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس معاہدے کے نتیجے میں حضور ﷺ کو آئندہ ریاست مدینہ کا سربراہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اسلامی قوانین پر چلنے کا عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ کے مقرر کردہ کارندے وہاں ذمے داریاں سنبھال چکے تھے۔ اس لیے ریاست تو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ صحابہ کرام جانا شروع ہو گئے، انہوں نے وہاں پہنچ کر ذمے داریاں سنبھال لیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ۱۱ ذی الحج ۱۳ نبوی کو مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ اس کے سربراہ کے طور پر بعد میں وہاں تشریف لے گئے۔"[21]

---

[19] ۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، دار ابن حزم بیروت لبنان، ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۳

Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah , dār ibne ḥazm Beirut, Lebanon, 2009, P 153

[20] ۔ ایضاً، ص ۱۹۹

Ibid, P 199

[21] ۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، ریاست اور امور ریاست، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، ۲۰۱۹ء، ص ۱۱۷

Ghāzī,Maḥmood, Aḥmad, Dr , Rīāsat or Umor-e- rīāst, zawwār academy Publications, Karachi, 2019, P 117

یہ تمام تعلقات اور روابط مکی زندگی میں ہی فروغ پار ہے تھے۔اس طرح ایک امت تشکیل پانے کے ساتھ ساتھ خارجہ نوعیت کے امور بھی زیر بحث تھے۔اسلامی تعلیمات جس طرح ریاست کے قیام کو معاشرہ کے لیے ضروری خیال کرتی ہیں وہیں اس کے خارجہ تعلقات کے ضمن میں ہدایات واحکام بھی فراہم کرتی ہے۔گویا بین الاقوامیت کی روح اسلام کے خمیر میں ہے۔

مدنی دور اور صیغہ خارجہ تعلقات

ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے ایک اسلامی ریاست کی تاسیس کے لیے عملی اقدامات اٹھائے۔اس لحاظ سے ہجرت مدینہ ایک فیصلہ کن موڑ(Turning Point) تھی جس نے اسلام کی تاریخ کا دھارا اور نہج متعین کر دیا۔اس دور میں خارجہ حکمت عملی کے ارتقاء میں جن عملی پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا،ان کا ایک جائزہ ذیل میں لیا جاتا ہے۔آغاز اسلام میں مسلمانوں کا زیادہ سابقہ کفار ومشرکین عرب سے پیش آتا رہا۔مدنی دورِ رسالت ﷺ میں یہود سے بھی معاملات درپیش آتے رہے۔جزیرہ عرب سے ان کی بے دخلی کے بعد ایران کے مجوسیوں اور دیگر اقوام کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہا۔ان کے مٹ جانے کے بعد صرف یہی دو قومیں ایسی تھیں جن سے مسلمانوں کو اس دور سے لے کر اب تک واسطہ اور سابقہ پیش آتا رہا ہے۔گویا مسلمانوں کو اپنا بین الانسانی اور بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لیے جن دو اقوام یہودیوں اور عیسائیوں سے سب سے زیادہ واسطہ پیش آنا تھا،ان سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنا حکمت الٰہی کا منشا تھا۔

آپ ﷺ نے سربراہ ریاست کے طور پر سب سے پہلے اور ابتدائی طور پر جو کام انجام دیا۔وہ شعبہ خارجہ کی تنظیم تھی۔اس تنظیم کے بنیادی ذمہ دار حضرت عمر فاروقؓ تھے جن کا تعلق بنو عدی سے تھا۔مکہ مکرمہ میں یہی قبیلہ امور خارجہ اور سفارت کاری کا نگران وذمہ دار تھا۔حضرت عمر فاروقؓ، نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔اسی شعبہ خارجہ کے تحت قبائل سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے گئے اور عدم جنگ کے معاہدے کیے گئے۔ریاست مدینہ کے اس خارجہ حکمت عملی کے تین بنیادی مقاصد واہداف تھے:

۱۔ تبلیغ واشاعت اسلام میں آسانی

۲۔ امن وامان کا قیام

۳۔ اسلامی ریاست کا تحفظ وبقا

شعبہ خارجہ کے امور کی انجام دہی کے لیے کئی دیگر ذیلی محکمہ جات بھی قائم کیے گئے جو کہ اسی شعبہ خارجہ کے تحت اپنے فرائض اور امور سرانجام دیتے تھے۔ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

ا۔ شعبہ سفارت:

سفارت کاری، خارجہ حکمت عملی کی کامیابی کا ایک اہم پہلو ہے۔ دور جدید میں کامیاب سفارت کاری سے کئی لاینحل اور گھمبیر مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ خارجہ حکمت عملی کا عملی اقدام تصور ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خارجہ حکمت عملی کے کامیاب تسلسل کو جاری رکھنے کے لیے سفارت کاری کے ہتھیار کو بڑی مہارت اور دُور اندیشی سے استعمال کیا۔ آپ ﷺ نے سفارت کاری کے مناصب پر ان اہل افراد کا تقرر کیا جو اس کا حق صحیح طور پر ادا کرسکتے تھے۔ اسی لیے اس سفارت کاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انتہائی کامیاب ثابت ہوئی اور اسلام کی دعوت نہ صرف عرب کے طول و عرض میں پھیل گئی بلکہ یہ اس وقت کی تمام ہمسایہ ریاستوں تک بھی اپنا آپ منوانے میں کامیاب رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاست مدینہ کے داخلی امن میں بھی اس سے تقویت ملی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے مختلف سفارتیں اور وفود دارالحکومت مدینہ آنے لگے۔[22]

ہجرت مدینہ کے فوری بعد کئی مہمات بھیجی گئیں جن میں مختلف سفراء کو پیغام رسانی اور خط کتابت کے لیے ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ ان سفراء میں کچھ نام باربار ان ذمہ داریوں کے حوالے سے ملتے ہیں جیسا کہ حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی، حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبد اللہؓ بن حذافہ السہمی وغیرہ۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ نے کئی شاہانِ عالم، فرمارِوایانِ عرب اور مختلف امراءوروسائے قبائل کو خطوط اور مکتوب روانہ فرمائے۔[23] ان مکاتیب کا بنیادی مقصد دعوت و تبلیغ اسلام تھا۔ یہ سفارتیں قیصر روم، شاہِ حبشہ، کسریٰ ایران، مقوقسِ مصر وغیرہ کو ارسال کی گئیں۔

باہر سے آنے والے سفارتی وفود کا نبی اکرم ﷺ خود استقبال فرماتے، اہم مسائل پر بات چیت کرتے، اور ضرورت پڑنے پر ترجمان کی مدد بھی حاصل کرتے تھے۔[24]

۲۔ شعبہ مراسلات:

---

[22]۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ص ۶۱

Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, P 619

[23]۔ ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مصر، ۱۳۵۳ھ، ص ۲۷

Abu Ubīd, Qāsim bin salām, Kitāb ul amwāl, Egypt, 1353, P 27

[24]۔ ابن حزم، علی بن احمد، جوامع السیرۃ، دار المعارف مصر، ص ۲۸

Ibn-e-ḥazam، Ali bin Aḥmd, Jawāmy alsirah, Dārul mārif, Egypt, P 28

بین الاقوامی تعلقات میں سفارتی نمائندوں اور سفارتی مراسلت کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ آپؐ نے اس ضمن میں کئی نئے پہلو اختیار فرمائے اور اس میں انقلابی تبدیلیاں کیں اور نئے رجحانات متعارف کروائے۔ سفیروں کا انتخاب کرتے وقت ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حلیفانہ مراسم اور متعلقہ قبائل اور ممالک کے سربراہان سے ان کے تعلقاتِ دیرینہ کو مدنظر رکھا گیا۔ اسی طرح بین الاقوامی خط کتابت کرتے وقت ان پر مہر لگانے کا عمل بھی شروع کیا گیا۔[25] اس طرح یہ مکاتب بطور ریاستی فرامین اور مراسلہ جات کے روانہ فرمائے گئے۔ ان خطوط کا لب و لہجہ اور طرز تکلم بین الاقوامی سفارت کے رجحانات کا آئینہ داراور غماز تھا۔ آپؐ کی طرف سے اٹھائے گئے یہ تمام اقدامات اور ضوابط آپ ﷺ کے بین الاقوامی رجحانات کو بخوبی سمجھنے اور ان سے مستفید ہونے کو واضح کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ان اصولوں اور اقدامات نے ان تمام سفارتی مہموں کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان رجحانات کی آج بھی انہی اصولوں کے مطابق پاس داری کی جاتی ہے جو آپ ﷺ نے انسانیت کو اس ضمن میں ودیعت فرمائے تھے۔

شعبہ مراسلات میں دو اشخاص قابل ذکر ہیں جن میں ایک حضرت عبد اللہؓ بن ارقم اور دوسرے حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ حضرت عبد اللہ بن ارقم بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھنے پر مامور تھے۔ رسول اکرم ﷺ ان کو صرف خط کا مضمون بتادیتے تھے اور یہ خط لکھ کر رسول اللہ ﷺ کو سنائے بغیر آپ ﷺ کی مہر ثبت کرکے حوالہ سفیر کر دیتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کو ان پر اس درجہ اعتماد و یقین تھا۔[26]

حضرت زیدؓ بن ثابت کاتبین وحی میں سے تھے۔ یہ بھی ملوک و امراء کو خطوط لکھنے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ چونکہ مختلف ممالک کے حکمرانوں کی مختلف غیر ملکی زبانیں تھیں جن میں وہ لکھ یا پڑھ سکتے تھے۔ اسی لیے نبی

---

[25] ۔ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار اصادر بیروت، ۱۹۶۰ء، ۲/ ۱۲۲

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā, dār-e-asādir, Beirut, V 2, P 122

[26] ۔ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دکن، ۱۳۳۶ھ، ۱/ ۳۳۶

Ibn-e-Abudulbar, Yoūsof bin, Abdullah, Al Istīāb fī marifatilasḥāb, Deccan, 1336, V 1, P336

کریم ﷺ کے حکم سے آپ نے بعض غیر ملکی زبانوں کو صرف سترہ دنوں میں سیکھ لیا تھا۔[27] اسی طرح آپ نے کتاب یہود کی تعلیم پندرہ دنوں سے کم مدت میں مکمل کر لی تھی۔[28]

حضرت زیدؓ بن ثابت نے حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھ لی تھیں۔ بوقت ضرورت آپ نبی اکرم ﷺ کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے۔[29] حضرت علیؓ بھی شعبہ مراسلات میں خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ درج بالا حضرات کی عدم موجودگی میں رسول اللہ ﷺ یہ خدمت کسی اور تربیت یافتہ شخص کے ذمہ لگاتے تھے۔[30] شعبہ مراسلات کی دستاویزات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔

۳۔ شعبہ مہمان داری (Protocol)

صیغہ خارجہ کے تحت ایک شعبہ مہمان داری بھی تھا۔ جس کے مختلف اوقات میں مختلف ذمہ دار رسول اکرم ﷺ تعینات کرتے رہے۔ سب سے پہلے چیف پروٹوکول آفیسر حضرت بلالؓ بن رباح تھے۔ ان کے بعد حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمہ الدوسی مقرر ہوئے۔[31] حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا مدینہ میں ایک بڑا مکان "دارالکبریٰ" کے نام سے تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے کہنے پر انہوں نے اپنا یہ مکان وزارت خارجہ کے اس شعبہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اس میں باہر سے آنے والے وفود کو ٹھہرایا جاتا تھا۔[32] اسی طرح ایک اور مکان ایک صحابیہ حضرت

[27]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۳۵۸

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā, V2, P 358

[28]۔ السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن أبي داؤد، دارالسلام لوئر مال لاہور، ۱۴۲۷ھ، ابواب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی تعلیم السریانیۃ، رقم الحدیث: ۲۶۱۵

Alsjastānī, sulemān bin Ashath, Sunān-e-abī dāwd, dār ulsslām lower māl Lahore, 1427h, Ābwāb istīzān wal ādāb an rasolillhﷺ, bāb mā jā fī talīm asuryānīh, Hadith No, 2615

[29]۔ مسعودی، ابی الحسن علی بن الحسین، مروج الذھب ومعادن الجوھر، مصر، ۱۹۵۸، ص ۲۴۶

Masodī, abīl ḥasan, Ali bin alḥusāin, Marojuzahab wa mādin aljohar, Egypt, 1958, P246

[30]۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ الاستیعاب، ۱/۳۳۷

Ibn-e-Abudulbar, Yoūsof bin, Abdullah, Al Istīāb fī marifatilasḥāb, V1, P 337

[31]۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب، ۲/۲۴۳

Ibn-e-Abudulbar, Yoūsof bin, Abdullah, Al Istīāb fī marifatilasḥāb, V 2, P 243

[32]۔ ایضاً، ۱/۳۳۹

Ibid, V1, P339

رملہؓ بنت حارث کا تھا جو کہ ایک باغ کے ساتھ منسلک تھا۔ اس طرح ان کے مکان میں بھی مختلف سفراء اور وفود کا قیام ہوتا تھا۔ بنو حنیفہ کا وفد جب مدینہ میں آیا تو اس میں ۸۰ افراد تھے۔ ان کو اسی مکان میں ٹھہرایا گیا۔ اس وفد کے لیے کھانے کا انتظام بھی انہی کی طرف سے کیا گیا تھا جو کہ ایک وقت میں دودھ اور روٹی اور دوسرے وقت میں گھی اور گوشت پر مشتمل ہوتا تھا۔[33] اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ چیف پروٹوکول آفیسر ہوتے تھے۔[34] ان کے بعد ۹ھ میں خالدؓ بن سعید بن العاص چیف پروٹوکول آفیسر مقرر کیے گئے۔[35]

قبیلہ مزنیہ کا وفد ۴۰۰ افراد پر مشتمل تھا۔ اسے بھی حضرت رملہؓ بنت حارث کے مکان میں قیام کروایا گیا۔ بارگاہ رسالتؐ سے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ چونکہ آپؓ اس وقت وزیر خارجہ کی حیثیت سے نگران کے فرائض انجام دیتے تھے۔[36]

۴۔ شعبہ بیرونی امداد

ریاستِ مدینہ کی خارجہ حکمت عملی کا ایک اہم حصہ شعبہ بیرونی امداد تھا۔ اس میں تالیف قلب کا عنصر واضح طور پر پایا جاتا تھا۔ اس شعبے کے تحت کئی اقدام اٹھائے گئے۔ جس کے نتیجے میں غیر مسلم قبائل اور افراد کی مالی یا غذائی امداد کی گئی اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

انسانی فلاح کے اسی جذبہ کے تحت آپؐ نے مکہ میں قحط کے دوران اہل مکہ کو کھجوریں اور جو کی ایک بڑی مقدار بھیجی تاکہ غرباء میں تقسیم کی جاسکے۔[37] جب اہل مکہ تجارت کی غرض سے نہ جاسکتے تھے تو ابوسفیان کو کھجوروں کی بھاری مقدار دے کر ان سے طائف کا چمڑا حاصل کیا تاکہ ان کی معاشی حالت ڈانواں ڈول نہ ہو جائے۔[38]

---

[33] ۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۳۴۴
Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,,V 2, P 344

[34] ۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ ,الاستیعاب، ۲/ ۳۴۳
Ibn-e-Abudulbar, Yoūsof bin, Abdullah, Al Istīāb fī marifatilasḥāb, V 2, P 343

[35] ۔ ایضاً، ۱/ ۱۶۶
Ibid, V 1, P 166

[36] ۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۶۷
Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 2, P 67

[37] ۔ السرخسی، أبو بکر محمد بن احمد بن أبی سہل، المبسوط، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۷ء ا/ ۸۲-۹۱؛
Assarakhsī, Abūbkr, Muḥmmad bin Aḥmad, Almabsūṭ, V 1, p 82-91

[38] ۔ ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۶۹۱
Abu Ubīd, Qāsim bin salām, Kitāb ul amwāl, P 691

تعلقات میں بہتری اور روابط کے استحکام میں تحائف اور ہدایا کا تبادلہ عالمی روایت میں شامل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف دوست اور حلیف ریاستوں اور قبائل سے تحائف اور ہدایا کا تبادلہ کیا بلکہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو بھی اس روایت میں شامل کیا۔[39] جب کوئی سفارت مدینہ آتی تو آپ ﷺ ان کو بھی تالیف قلب کے ارادہ سے ہدیہ دیا کرتے تھے۔

معاہدات

اسلامی ریاست، سیاست خارجہ اور بین الاقوامی تعلقات میں معاہدانہ روابط کو اہم گردانتی ہے۔ یہ معاہدانہ روابط سیاسی، معاشی، دفاعی اور حلیفانہ نوعیت کے ہوسکتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہمہ گیر ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر المقاصد بھی ہوتے ہیں۔ ان معاہدات کے اثرات ریاست کی خارجہ حکمت عملیوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست اپنے خارجہ تعلقات کے ضمن میں کیے گئے معاہدات کو ہر صورت نبھانے کی سعی کرتی ہے۔ اسلام نے امن کو ایک لازمی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس لیے غیر مسلموں اور غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ امن معاہدات کے لیے کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ شرط صرف یہی ہے کہ وہ بھی امن معاہدہ کے لیے عملاً تیار ہوں۔ اگر اس قسم کے معاہدات سے مسلمانوں کو کوئی سخت نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو عملی شکل دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

"الصلح جائز بين المسلمين الا صلحاً حرم حلالاً وأحل حراماً۔"[40]

مسلمانوں پر ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے اور حرام کو حلال کردے۔

ابن قیم الجوزیہؒ لکھتے ہیں:

معاہدات کے متعلق بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ کسی بھی ایسے انداز میں کیے جاسکتے ہیں جو مصلحت کا تقاضا ہو، اور کبھی مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ معاہدہ وقت کی قید کے ساتھ کیا جائے اور کبھی اس میں ہوتی ہے کہ وہ وقت کی قید کے بغیر کیا جائے۔[41]

---

[39]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۲

Ibn-e-sa’d, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 1, P 262

[40]۔ محمد بن شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء، ۹/۵۱۵

Muḥammad bin Shamsulḥaq,Ownulmabod sharḥ Sunan abī dawd, Dār ul fikr, Beirut, 1979, V 9, P 515

[41]۔ ابن القیم الجوزیۃ، محمد بن أبی بکر، احکام أھل الذمۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۲ء، ۱/۳۳۷

عہدِ رسالت ﷺ میں معاہدانہ روابط

ہجرت مدینہ کے فوری بعد مدینہ کے قرب وجوار میں آباد قبائل کو بھی اپنا اتحادی اور حلیف بنانے کے لیے اقدامات کیے گئے تاکہ ایک طرف قریش کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ اور باخبر رہا جاسکے اور دوسری طرف مدینہ کے دفاع کو بھی مضبوط سے مضبوط تر کیا جاسکے۔ آپ ﷺ نے بنو اسد، بنو سُلیم، بنو اسلم، بنو خزاعہ، کنانہ اور اس کی شاخوں غفار، ضمرہ، مدلجہ، لیث وغیرہ سے معاہداتِ حلیفی قائم فرمائے۔ جب ہم دفاعی لحاظ سے مدنی دور کے معاہدات کا تجزیہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ریاستِ مدینہ آزاد، خود مختار اور مستحکم بنیادوں پر استوار ریاست تھی جو ہجرتِ مدینہ کے بعد پانچ ماہ کی کم مدت میں مدینہ سے ینبوع تک کے علاقے تک حلیفانہ تعلقات اور معاہدات کے نتیجہ میں اپنی عمل داری قائم کر چکی تھی اور اس کے بین القبائلی روابط اور تعلقات مستحکم ہو چکے تھے۔[42]

اسی دور میں ریاست مدینہ کی طرف سے دو اہم معاہدے میثاق مدینہ اور معاہدہ حدیبیہ کیے گئے جن کی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

میثاق مدینہ

ہجرت کے فوری بعد دیگر اہم کاموں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے جو اہم کام سرانجام دیا وہ ایک میثاق (دستوری معاہدہ) کاروبہ عمل لانا تھا۔ اس معاہدہ کے فریقین میں مسلمان، یہودی اور اہل مدینہ شامل تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے مدینہ ایک ریاست کی شکل میں ڈھل گئی اور اس کے دفاع کی ذمہ داری تمام فریقوں پر عائد ہوگئی۔ اگرچہ قبائلِ یہود نے اس ذمہ داری سے انحراف کیا جس کے نتیجہ میں انہیں جنگِ بدر اور جنگِ احد کے بعد جلاوطنی اور دیگر سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان اقدامات کی وجہ سے یہودی شرپسندی کا قلع قمع ہوتا گیا اور مدینہ میں ان کی ریشہ دوانیاں بھی ختم ہوتی چلی گئیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہیں:

Ibin-e-Qayīm aljozyah, Muhammad bin abī Bakr, Aḥkām ahl-e-Zīmah, Dār-ul-kotūb al ilmia, Beirut, V 1, P337

[42]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۴/۸-۱۱۰

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭabqāt ul Kubrā,V 4, P 110

"یہی دستاویز ہے جسے ہم شہری مملکت مدینہ کا دستور کہہ سکتے ہیں۔۔۔اس میں اندرونی انتظامات کے متعلق کافی تفصیل سے احکامات دیے گئے ہیں اور مذہبی آزادی کا بھی اس میں صراحت سے ذکر ہے۔ دفاع کے انتظامات اور جنگ و صلح کے قواعد بھی اس میں درج ہیں۔"[43]

سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دستوری معاہدہ پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا۔ جب گروہِ یہود نے اس عہد نامے کی کئی دفعہ خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ نے انہیں نہ صرف اس پر عمل درآمد کی یاددہانی کروائی بلکہ اس ضمن میں ان کے خلاف لشکر کشی بھی کی گئی۔ عہد کی پاس داری کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من كان بينه وبين قوم عهدفلا يشدعقدة ولا يحلهاحتى ينقضىٰ امدها او ينبذ اليهم على سواءِ۔"[44]

(جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو، اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے تاوقت کہ اس کی مدت گزر نہ جائے یا پھر اگر خیانت کا خوف ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر اس کے ختم معاہدہ کا اعلان کر دے۔)

معاہدہ حدیبیہ

صلح حدیبیہ کے معاہدہ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو نہ صرف قریش مکہ سے الگ اور جداگانہ حیثیت سے منوالیا بلکہ خارجہ تعلقات کے باب میں نئی پیش رفت کا باعث بن گیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عمرہ کے لیے زیارت بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس بارے میں آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۴۰۰ مسلمان قربانی کے جانور ساتھ لے کر تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ مزاحمت پر آمادہ ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:۔

"لا تدعونى قريش اليوم الى خطة يسألوننى فيها صلة الرحم الااعطيتهم ايام۔"[45]

(آج قریش مجھ سے جو حقوق طلب کریں گے، میں ان کو دوں گا۔)

---

[43]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص ۱۲۸

Hamīdullh, Muhammad, Dr. Khutbāt-e-Bahāwalpur, Lahore, P 128

[44]۔ ابوداؤد، سنن، کتاب الجہاد، باب: فی الامام یکون بینہ وبین العدو عھد، رقم الحدیث: ۲۷۵۹

Abu Daoud, Sunān, Kitab ul jihād, bāb, fīl Imām yakon bynaho wa byna aladuwi ahd No, 2759

[45]۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ص ۵۰۰

Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, p 500

ڈاکٹر حمید اللہؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی "فتح مبین" اور "نصر عزیز" تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کر دی۔ یہی وہ صلح ہے جسے عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔[46]

"حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کر دینا وہ زبردست سیاسی اور سفارتی (ڈپلومیٹک) کامیابی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام "فتح مبین" ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں ہے۔"[47]

صلح حدیبیہ نے ریاست مدینہ کی خارجہ حکمت عملی پر ہمہ گیر اور دور رس اثرات مرتب کیے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:

۱۔ جنگ نہ ہونے اور صلح کے معاہدہ کی وجہ سے مکہ میں موجود مسلمان محفوظ ہو گئے۔

۲۔ صلح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل ایسی شان کی فتح نصیب نہ ہوئی۔ صلح کی وجہ سے یہ لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا اور جو لوگ اسلام ظاہر نہیں کر سکتے تھے، وہ اعلانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے۔

۳۔ صلح حدیبیہ نے یہ بات ثابت کر دی کہ مسلمان ایک صلح جو اور امن پسند قوم ہے جو مذہبی تنازعات کو ہوا دینا نہیں چاہتے۔

۴۔ اس معاہدہ میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا باقاعدہ وجود تسلیم کیا گیا

۵۔ قریش سے سمجھوتہ طے پانے کے بعد آپؐ کی حکمت عملی کی وجہ سے یہود کا گروہ سیاسی لحاظ سے تنہا ہو گیا۔

۶۔ قریش مکہ کی بدعہدی کے سبب صلح حدیبیہ کا معاہدہ بھی ٹوٹ گیا جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔

۷۔ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب امن کا دور میسر آیا تو آپؐ نے دیگر ممالک کے سربراہان، فرمانروانِ عرب اور روسائے قبائل کو خطوط اور مکاتیب ارسال فرمائے۔[48] ان خطوط کا مقصدِ بنیاد تبلیغ اور اشاعت اسلام کے علاوہ قیام امن بھی تھا۔

---

[46]۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۹۶

Hamīdullh, Muhammad, Dr. Rasol-e-akram ﷺ kī Siyasī zindgī, P 96

[47]۔ ایضاً، ص ۱۰۳

Ibid, P 103

روم اور فارس کے باجگذاران سے نبویؐ معاہدات

دورِ رسالت ﷺ میں روم اور فارس اپنے وقت کی دو عظیم طاقتور سلطنتیں تھیں لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر ان کے مابین سخت عداوت اور چپقلش پائی جاتی تھی۔اس لیے دونوں طاقتیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتی تھیں۔اس وقت کی ان طاقتور سلطنتوں نے عرب میں اپنے اثرات دور دور تک پھیلا رکھے تھے۔

اس وقت تک عرب کی شمالی سرحدوں میں ایلہ، مقنا، دومۃ الجندل اور غسان جیسے اہم علاقے اہلِ روم کے زیرِ اثر تھے۔ان علاقوں میں آباد مختلف قبائل بنو تغلب، بنو کلب، جزام، قین، قضاء وغیرہ جنگوں میں رومیوں کے ماتحت اکٹھے ہوا کرتے تھے۔[49] رومی سلطنت کے اثرات جزیرہ نما عرب کے کئی سرحدی علاقوں میں نفوذ کر گئے تھے اور ان علاقوں کے قبائل اس کے خاص طور پر مطیع وفرمانبردار تھے۔جیسا کہ سریہ موتہ کے موقع پر یہ قبائل مسلمانوں کے خلاف رومی جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔[50] جب کہ اس کے برعکس عمان، یمن، یمامہ، طائف اور بحرین کے علاقے فارس کی سلطنت کے زیر اثر تھے۔[51]

۹ھ میں جب رسول اکرم ﷺ تبوک کے مقام پر لشکر لے کر پہنچے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی کامیاب خارجہ حکمت عملی کے باعث ان کے زیر اثر علاقوں ایلہ، مقنا، جربا، اذرح اور دومۃ الجندل کے سرحدی علاقوں سے صلح وحلیفی کے معاہدات کر کے انہیں ریاست مدینہ کا مطیع وفرمانبردار بنالیا۔[52]

48۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ص ۶۴۲-۶۴۳

Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, p 642-643

49۔ ایضاً، ص ۵۳۱ Ibid, P 531

50۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۹۰

Hamīdullh, Muhammad, Dr. Rasol-e-akram ﷺ kī Siyasī zindgī, P 190

51۔ الاَصبھانی، علی بن الحسین، کتاب الاغانی، مؤسسۃ جمال للطباعۃ والنشر بیروت، ۱۲/ ۴۸-۴۹

Alaṣbahānī, Ali bin alḥussāin, Kitāb alaghānī, Moassisat jamāl lilṭabah wa nnashar, Beirut, V 12, P 48,49

52۔ ہاشمی، معین الدین، "باجگذاران روم وفارس سے معاہدات نبوی ﷺ دعوتی نتائج اور قبائل کی شیرازہ بندی"، مقالات سیرت نبوی ﷺ، زیر اہتمام سیرت چیئر، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۲۰۰۵ء، ۱/ ۲۷۴

Hāshmī, Moenuddīn, Bājghuzārān-e-Rom-o-fāris sy Moāhdāt-e-Nabwī, Dawtī natāej or Qabāel Ki shirāzh bandī: Maqālāt-e-seerat-e-Nabwī, Seerat Chair, the Islamia University, Bahawalpur, 2005, V1, P 274

اسی طرح ایلہ کا علاقہ بھی ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں کے حاکم نے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا۔[53] اہل مقنا، جرباء واذرح، غسان وغیرہ بھی اسلامی ریاست کے معاہدین میں شامل ہو گئے۔ یمن کا علاقہ اس دور میں ایران (فارس) کے زیر اثر تھا اور وہاں باذان ایرانی گورنر کے طور پر مقرر تھا۔ جب نبی رحمت ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ دیگر رؤسا کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔[54] بحرین، عمان، جرش کے علاقوں کے ساتھ بھی صلح کے معاہدات کیے گئے۔ ان معاہدات میں انہیں ہر قسم کی مذہبی آزادی کے تحفظ کا یقین دلایا گیا۔

اسلام میں خارجہ تعلقات کی بنیاد امن اور صلح پر ہے، جنگ پر نہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"لاتتمنوالقاءالعدو، وسلواالله العافية۔ فاذا لقيتموهم فاصبروا، واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف۔"[55] (دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو، پس جب میدان جنگ میں تمہارا سامنا ہو تو صبر کرو اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"الصلح جائز بين المسلمين الا صلحاً حرم حلالاً وأحل حراماً۔"[56]

(مسلمانوں پر ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے اور حرام کو حلال کر دے۔)

ایک روایت میں آیا ہے:

"أوفوا بحلف الجاهلية فان الاسلام لا يزيده الا شدة۔"[57]

(جاہلیت کے حلف کی مکمل پابندی کرو، کیونکہ اسلام اس کی شدت میں ہی اضافہ کرتا ہے۔)

---

[53]۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص۱۹۹

Hamīdullh, Muhammad, Dr. Rasol-e-akramﷺ kī Siyasī zindgī, P 199

[54]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۰

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 1, P 260

[55]۔ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا تمنوا لقاء العدو، رقم الحدیث:۳۰۲۵

Muhammad bin Ismael Bukhārī , Saḥiḥ al-Bukhārī, Kitāb ul jihād wa alsiyar, Bāb lā tāmno liqā aladowi No, 3025

[56]۔ محمد بن شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۹/۵۱۵

Muḥammad bin Shamsulḥaq, Aon al-ma'bod Sharḥ Sunan abī Daoud, V 9, P 515

[57]۔ الترمذی، کتاب السیر، باب: ماجاء فی الحلف، ۲۰۱۲ء، رقم الحدیث:۱۵۸۵

Al-Tirmidhī, Muhammad bin Esa, Kitābussiyar, bāb:mā jā, fil-ḥalf, 2012, No, 1585

غیر مسلموں کو دوستانہ تعلقات کے نقطہ نظر سے دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ محاربین: ایسے غیر مسلم ہیں جو مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہیں، ان پر جنگیں مسلط کرتے ہیں۔ ان کے جان ومال کے دشمن ہوں اور ان کی عزتیں تار تار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دوستی اور تعلقات نہیں رکھے جاسکتے۔

۲۔ غیر محاربین: یہ ان غیر مسلموں کا گروہ ہے جو نہ ہی مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہیں، نہ ہی ان سے جنگ کرتے ہیں اور نہ ہی دینی معاملہ میں ان پر ظلم وزیادتی روا رکھتے ہیں۔ ان سے غیر جانب داری کا رویہ رکھا جا سکتا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا[58]

(مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق اس قوم سے ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ نہ اپنے اندر لڑائی کی وہ ہمت پا رہے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ نے تم لوگوں کو ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دی۔)

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کا بیان ہوا ہے:

۱۔ ایسے لوگ جن سے مسلمانوں کا معاہدہ صلح ہو تو ان کی جاں بخشی محض معاہدے کے احترام میں کی گئی۔ اس لیے معاہدے کی پاس داری تک ان کو گرفتار یا قتل کرنا عہد شکنی ہو گی۔

۲۔ دوسرے ایسے لوگ جو مسلمانوں کے پاس غیر جانب داری کی درخواست لے کر آئیں، اس لیے کہ وہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ غنیمت ہے کہ وہ اس سلسلہ میں غیر جانب داری کا رویہ رکھتے ہیں۔[59]

وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے قتل کو اس صورت میں جائز ٹھہرایا ہے جب وہ ہم پر زیادتی کریں مگر دو صورتوں میں انہیں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے:

---

[58]۔ النساء ۴:۹۰ Al Qur'ān:4:90

[59]۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن ایبٹ روڈ لاہور، ۲۰۰۹ء، ۲/۳۵۹
Iṣlāḥī, Amīn Aḥsan, Tadabure-e Qurān, Fārān Foundation, Abat road, Lahore, V2, P 359

۱۔پہلی صورت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں سے جاملیں جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کامعاہدہ کیاہو۔ اس طرح وہ بھی معاہدین کے حکم میں شامل ہوجائیں گے۔

۲۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ صلح کی غرض سے مسلمانوں کے سامنے آئے ہوں اوروہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی اوراپنی قوم کی جنگ سے تنگ ہوگئے ہوں اور غیر جانب دارہوکر رہیں۔اس طرح کی صورت حال حبشہ،نوبہ اورقبرص کے علاقوں میں بھی پیش آچکی ہے۔ان علاقوں کے لوگوں نے غیر جانبداررہنے کو اختیار کیا،نہ مسلمانوں سے جنگ کی اورنہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے دوران اسلام دشمنوں کاساتھ دیا۔وہ پرامن رہے،نہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئےاور نہ کافروں کے ساتھ شریک ہوئے۔[60]

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں،اقوام اور ممالک سے جنگ یالڑائی کی اجازت نہیں دی جوتم سے لڑائی یاجنگ میں غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صلح وامن کے خواہش مند ہیں۔اس آیت سے غیر جانب داری کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے۔اسلامی ریاست کی غیر جانب داری کی ایک واضح مثال دور نبویؐ میں یہ بھی ملتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جومسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا،اس کومکہ واپس لوٹادیاجائے گا۔اس شرط کی بناپر آپؐ نے پہلے ابوجندلؓ اور بعد میں ابوبصیرؓ کواہل مکہ کولوٹادیا۔ابوبصیرؓ نے مکہ واپس جاتے ہوئے راستہ میں ایک آدمی کو قتل کردیاجبکہ دوسرا اڈر کربھاگ گیا۔ابوبصیرؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کواپناٹھکانابنالیااوروہاں رہنے لگے۔اب یہ ہونے لگاکہ جومکہ کاآدمی مسلمان ہوتاوہ ابوبصیرؓ کے پاس چلاآتا۔اس طرح ان کی ایک جماعت بن گئی۔انہوں نے قریش مکہ کے خلاف کاروائیاں شروع کردیں اوران کے تجارتی قافلوں سے چھیڑچھاڑ کرنے گے۔[61]ان کارروائیوں کاعلم آپؐ کوہوتارہتاتھالیکن آپؐ نے ان کے کسی امر میں کسی قسم کی مداخلت نہ فرمائی۔زادالمعاد میں ہے کہ چونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے زیر تسلط علاقے سے باہر تھے اس لیے ان کے افعال کی ذمہ داری مسلمانوں پرعائد نہیں ہوتی تھی۔[62]

---

[60]۔وھبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی ،دارالفکر دمشق،۱۴۱۹ھ،ص۲۰۸

Wahbah al-zuḥylī, Āsār ul ḥarab fīl fiq-e-alislāmī, Dārul fīkr, Damascus, 1419, P208

[61]۔محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع أھل الحرب، رقم الحدیث:۲۷۳۱

Muhammad bin Ismael Bukhārī , Al-Saḥiḥ, Kitābu sharoṭ, bāb al-sharoṭ fi ljihād wal Moṣāleḥat Ma ahl-e-ḥarab, No 2731

[62]۔ابن القیم الجوزیۃ، محمد بن أبی بکر، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، مکتبۃ السنۃ المحمدیہ،۱۳۷۱ھ،۱/۹۱۳

Ibin-e-Qayīm aljozyah, Muhammad bin abī Bakr, zādul ma'ād fī hādyī khyr aq-al'bād,

صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کی حیثیت بھی ایک غیر جانب دار علاقہ کی ہی رہی تا آنکہ یہ کفار مکہ کی عہد کی خلاف ورزی پر ٹوٹ گئی۔ عہد نبویؐ اور دور خلافت راشدہ میں غیر جانب دار علاقے کی ایک واضح مثال حبشہ کی رہی ہے۔ ہجرت حبشہ اولیٰ اور ثانی کے بعد مسلمان وہاں مقیم رہے اور وہاں کی حکومت نے انہیں سیاسی طور پر امان دی تھی۔ آپؐ کا ان کے بارے فرمان ہے:

"دعو الحبشه ما ودعوكم،وتركوا الترک ما تركوكم"[63]

(حبشیوں سے تعرض نہ کرو جب تک کہ وہ تمہارے درپے نہ ہوں اور ترکوں کو بھی چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں۔)

مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کی مکمل پیروی کی اور کبھی بھی حبشہ کی سلطنت پر حملہ نہیں کیا اور اس طرح غیر جانب داری کا رویہ نبھاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں بھی غیر جانب داری کی متعدد مثالیں ہمیں ملتی ہیں خصوصاً عہد نبویؐ کے واقعات سے اس بارے میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔

بنو ضمرہ سے معاہدہ آنحضرت ﷺ کی پہلی بڑی سیاسی مہم کی کامیابی تھی۔ اس معاہدے سے قیامِ امن کا حقیقی مقصد بھی اجاگر ہوتا ہے۔ اس معاہدے کی شرائط میں ان سے پر امن رہنے اور جنگ نہ کرنے کی شرائط شامل تھیں۔ بنو ضمرہ سے جو معاہدہ کیا گیا، اس میں تھا کہ نہ آنحضرتؐ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ یہ آپؐ سے اور آپؐ کے خلاف جتھابندی میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور آپؐ کے خلاف کسی دشمن کو مدد نہ دیں گے۔[64]

۲ھ میں رسول اکرم ﷺ نے بنو درحمہ کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ وہ مسلمانوں اور ان کے مخالفین کے معاملہ میں غیر جانب دار رہیں گے اور کسی کی مدد نہیں کریں گے۔[65] نبی اکرم ﷺ اور قبیلہ بنو سلیم کے درمیان جو معاہدہ طے پایا، بنی غفار کے ساتھ معاہدہ ہوا، مدینہ کے ارد گرد بسنے والے قبائل سے بھی معاہدے ہوئے۔ ان تمام معاہدوں میں جو اہم نکات مشترک تھے، ان میں مسلمانوں پر حملہ نہ کرنا، بیرونی حملہ کی صورت میں مدد پہنچانا اور اقدامی صورت میں دشمن کی مدد نہ کرنا شامل تھے۔

Makatabh, assunnt ul Muḥmmdīa, 1371, V 1, 913

63۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب: نہی عن نہیج الترک والحبشہ، رقم الحدیث: ۴۳۰۲

abu Daoud, Al-Sunan, Kitab ul malāḥim, bāb nāhi an nhīj al-turk wal ḥabsha, No, 430

64۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۷۱-۲۷۴

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 1, P274-271

65۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۳

Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 1, P 23

دعوتی خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دعوت اسلام کے ضمن میں بیرونی ممالک کے سربراہان کو تبلیغی خطوط لکھے جو کہ بین الاقوامی تعلقات کا نکتہ عروج تھا۔[66] ابن سعد کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے ایک دن میں چھ قاصدوں حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری کو نجاشی شاہ حبشہ، حضرت دحیہؓ الکلبی کو قیصر روم، حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کو کسریٰ ایران، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو شاہ مصر، شجاعؓ بن وہب کو ابن شمر الغسانی اور حضرت سلیطؓ بن عمرو کو ہوذہ بن علی کے پاس بھیجا۔[67] ابن ہشام نے کچھ مزید سفراء کے نام بیان کیے ہیں جن میں حضرت عمروؓ بن العاص کو روسائے عمان، علاءؓ بن الحضرمی کو حاکم بحرین اور حضرت مہاجرؓ بن امیہ کو حاکم یمن کی جانب روانہ کیا گیا۔ علاوہ ازیں ابن ہشام کے مطابق حضرت سلیطؓ بن عمرو کو ثمامہ بن اثال اور ہوذہ بن علی دونوں کی طرف، جبکہ حضرت شجاعؓ بن وہب کو ابن شمر الغسانی کے ساتھ ساتھ جبلہ بن ایہم کی طرف بھیجا گیا۔[68] ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے:"ان رسول اللهﷺ کتب قبل موته الی کسریٰ والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوهم الی الله۔"[69] (رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل ہی کسریٰ، قیصر، نجاشی اور (دنیا کے) ہر صاحب اقتدار واختیار کے نام (خط) لکھا اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی۔)

ان دعوتی خطوط کے نتائج درج ذیل تین صورتوں میں سامنے آئے:

ا۔ کچھ سرداران نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا جن میں عمان، بحرین اور یمن کے امراء و روساء شامل تھے۔[70]

---

[66]۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ،، ص ۶۴۲
Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, P 642

[67]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۴/۸-۱۱۰ Ibn-e-sa'd, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 4, P 108-110

[68]۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ،، ص ۶۴۳
Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, P 643

[69]۔ ترمذی، کتاب، ابواب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ، باب فی مکاتبۃ المشرکین، رقم الحدیث: ۲۷۱۶
Al-Tirmidhī, Muhammad bin Esa, Abwāb ul istezān wa ādāb an Rasolillah, Bāb fi mokātabat mushrikīn, No, 2716

[70]۔ ابن ہشام، محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ،، ص ۶۵۳
Ibn-e-Hishām, Muhammad, Abdulmalik, Al-Sirah al-Nabawiyyah, P 653

۲۔ بعض حکمرانوں نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن اس کی مخالفت بھی نہ کی اور آپ ﷺ کے قاصد کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے۔ان میں قیصر روم ہرقل اور مقوقس (یہ شاہ روم کے ماتحت مصر کا فرمانروا تھا) شامل تھے۔ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدایا بھی ارسال کیے۔[71]

۳۔ ایک رویہ مخالفت کا بھی پیدا ہوا۔ اس رویہ کا اظہار کرنے والوں میں کسریٰ پرویز (شاہِ فارس) اور حاکم بُصریٰ شامل تھے۔ شاہِ فارس نے آپ ﷺ کا نہ صرف خط پھاڑ دیا بلکہ اپنے عامل باذان کو آپ ﷺ کی سرزنش کے لیے لکھا۔[72] اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے ایک قاصد جو کہ حاکم بُصریٰ کے طرف بھیجے گئے تھے، کو شرحبیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا۔[73] سفراء کا قتل زمانہ قدیم سے ہی ایک جنگی جرم گردانا جاتا رہا تھا۔ سفیر رسول ﷺ (حضرت حارثؓ بن عمیر) کے قتل کو ریاست مدینہ کے خلاف ایک جنگی قدم تصور کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک لشکر اس کا بدلہ لینے کے روانہ کیا جس کے نتیجہ میں جنگ موتہ پیش آئی۔[74]

اگر ہم اس دعوتی مہم کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خواہ ان خطوط کا نتیجہ کچھ بھی رہا ہو یعنی اس کے مخاطبین نے اسلام قبول کیا یا اسے ٹھکرا دیا، لیکن یہ امر بہر حال طے ہے کہ آپؐ کی یہ دعوتی خط کتابت اپنے نتائج کے لحاظ سے یقینی طور پر کامیاب رہی۔

خلاصہ البحث:

بین الاقوامی تعلقات میں مختلف ممالک کے طرز عمل کو سمجھنے، جانچنے اور پرکھنے کے لیے خارجہ حکمت عملی ایک ایسا آلہ (tool) ہے جو کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کسی ملک کی خود مختاری کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ وہ عالمی تناظر میں کیا اہمیت و حیثیت رکھتا ہے۔ خارجہ تعلقات کا آغاز عہد نبوی ﷺ کے مکی دور سے ہی ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے مکی دور نبوت میں ہی بین القبائلی اور بین الاقوامی تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے تھے۔ بعد میں ان میں بتدریج اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ کار میں مزید وسعت آتی چلی گئی۔ خارجہ تعلقات اور

---

[71]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۰ — Ibn-e-sa’d, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā,V 1, P 260

[72]۔ ایضاً — Ibid

[73]۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۰ — Ibn-e-sa’d, Muhammad, Aṭbqāt ul Kubrā, V 1, P 260

[74]۔ ایضاً — Ibid

جنگ و صلح کے باب میں نبی اکرمؐ کے طرز عمل سے بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ ۔ریاست مدینہ کی خارجہ حکمت عملی میں جو پہلو ہمیں زیادہ دکھائی دیتے ہیں، ان میں اسلام کی عالمگیر دعوت کے لیے ساز گار حالات کا پیدا کرنا اور خارجی محاذ پر جارحیت اور تصادم کے امکانات کو محدود سے محدود تر کرنے کے اقدامات کیے گئے۔ اسلامی ریاست کوئی مصلحت یا مرحلہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ عقیدے اور نظریے پر استوار ریاست تھی۔اسی طرح اسلام کے بین الاقوامی تصور کی بنیاد بھی محض چند مشترک مادی اغراض یا کوئی ہنگامی اور عارضی حالات نہیں تھے جن میں یہ وجود میں آئی تھی۔اس کے اندر وہ خالص پاکیزہ تصور تھا جو انسان کو ایک رشتہ وحدت میں پرو سکتا ہے تاہم وہ اسلوب مختلف رہا جن پر دیگر ممالک سے تعلقات استوار ہوئے۔ لیکن اسلامی ریاست ان بین الاقوامی مسائل کے سامنے عاجز نہیں ہوئی جو حالت امن یا حالت جنگ میں پیدا ہوئے۔اسلام نے عالمی تعلقات اور خارجہ امور کے باب میں شریعت کا پابند بنایا ہے جو عدل، مساوات، ایفائے عہد، نظریاتی آزادی اور اخلاقی اصولوں پر استوار ہے۔ریاستِ مدینہ نے ہر دوحالتوں امن اور جنگ میں عالمی سطح پر تعلقات کا قیام ممکن بنایااور ان دوحالتوں کے الگ الگ احکامات، قوانین، قواعد وضوابط وضع ہوتے گئے جن کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست اپنے خارجہ تعلقات کی بنا رکھ سکتی ہے۔

اسلامی ریاست اپنے خارجہ تعلقات کے ضمن میں کیے گئے معاہدات کو ہر صورت نبھانے کی سعی کرتی ہے۔ عہدِ مکی کے اخیر میں آپ ﷺ کا اہلِ مدینہ سے مذہبی وسیاسی بنیادوں پر عہد بیعت عقبہ کی صورت میں ہوا۔اس عہد نے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد استوار کر دی۔ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی مضبوطی واستحکام اور خارجہ تعلقات کے فروغ کے ضمن میں مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل کے ساتھ مختلف نوعیت کے سیاسی ،دفاعی، صلح، غیر جانبداری، امان، قیدیوں کے تبادلہ وغیرہ کے معاہدات فرمائے۔ہجرت مدینہ کے فوری بعد رسول اکرم ﷺ نے میثاق مدینہ جیسا دنیا کا پہلا تحریری معاہدہ مدینہ کے مختلف گرہوں سے کر کے اس کی دفاعی وسیاسی حیثیت کو مستحکم بنایا۔عہدِ رسالت ﷺ کا ایک اور اہم معاہدہ صلح حدیبیہ کا تھا جس کی مکمل طور پر پاس داری ہمیں اسوہ حسنہ میں ملتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License